اخبارِ امّت

کینیا: مسلمانوں کی سرگرمیاں

حافظ محمد ادریس

گذشتہ کئی عشروں کی منظم جدوجہد کے نتیجے میں کینیا کے مسلمان آج بیدار اور سرگرم عمل ہیں' حکومت سے کشمکش بھی ہے۔ ۱۹۹۲ء میں جب اسلامی پارٹی قائم کی گئی تھی حکومت نے فوراً پابندی لگا دی تھی۔ اس وقت پارلیمنٹ میں ایک دوسرے نام سے تحریک اسلامی کے دس نمایندے موجود ہیں۔ سیاسی اور اقتصادی اصلاحات کے لیے یہ آواز اٹھاتے رہتے ہیں۔ حقوق کی بحالی کے لیے بیسیوں جلوس نکالے گئے اور مظاہرے بھی کیے گئے۔ ائمہ مساجد بھی متحد ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مشترک مسائل پر عیسائیوں کے ساتھ متحدہ جدوجہد بھی کی گئی ہے۔ اس مرحلے پر کینیا کے بارے میں ایک خصوصی مضمون پیش کیا جارہا ہے۔ (مدیر)

مشرقی افریقہ کے خوبصورت ملک کینیا کی آبادی تقریباً پونے تین کروڑ ہے' جس میں سے تقریباً پچیّس فیصد مسلمان ہیں' عیسائی پچاس فیصد' جبکہ باقی مقامی روایتی مذاہب کے پیروکار ہیں۔ تھوڑی سی آبادی ہندو' سکھ اور پارسی مذاہب سے بھی تعلق رکھتی ہے۔

کینیا کا رقبہ ۲لاکھ ۲۴ہزار ۹سو ساٹھ مربع میل ہے۔ اس کی سرحدیں یوگنڈا' تنزانیہ' صومالیہ' ایتھوپیا اور سوڈان سے ملتی ہیں۔ کینیا کے ساحلی علاقے اور شمالی اور مشرقی خطے میں مسلمان اکثریت میں پائے جاتے ہیں۔ ساحلی علاقوں اور بحرہند میں واقع جزائر (لامو' پاتے اور سی او) میں ۱۰۰فی صد مسلمان بستے ہیں۔ اسی طرح صومالیہ کے بارڈر پر منڈیرا' وجیر کے علاقے بھی ۱۰۰فی صد مسلم آبادی پر مشتمل ہیں۔ کینیا کا صدر مقام نیروبی بہت خوبصورت شہر ہے جو سطح مرتفع اور پہاڑیوں پر واقع ہے۔ یہاں کا موسم بارہ مہینے معتدل رہتا ہے۔ دن رات بھی ہمیشہ برابر رہتے ہیں۔ یہاں کی آبادی ۱۵لاکھ ہے جس میں مسلمان صرف ۷-۸ فی صد ہیں۔ وسطی اور غربی کینیا میں بھی مسلمانوں کا تناسب بہت کم ہے مگر کوئی خطہ بھی مسلم آبادی سے خالی نہیں ہے۔

کینیا کے ساحلی علاقوں میں اسلام' مسلمان تاجروں کے ذریعے پہلی صدی ہجری ہی میں پہنچ گیا تھا۔ ان علاقوں میں مسلمانوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی قائم کر لی تھیں۔ یہاں عرب نسل کے مسلمان بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ کینیا کے شمالی علاقوں میں صومالی نسل کے مسلمان آباد ہیں' جن کا علاقہ زیادہ تر خشک اور صحرائی ہے۔ ان لوگوں کا ذریعہ معاش مویشی پالنا اور سرکاری ملازمتیں ہیں۔ کینیا کے بڑے شہروں میں لوگ تجارت پیشہ ہیں' جبکہ ملک کی بیشتر آبادی زراعت سے منسلک ہے۔ ساحلی علاقوں اور جزیروں میں لوگ ماہی گیری سے معاش حاصل کرتے ہیں۔

کینیا ۱۹۶۳ میں برطانوی استعمار سے خون ریز جنگ کے بعد آزاد ہوا۔ کینیا کے پہلے صدر جوموکین یاٹا بہت زیرک' بہادر اور وسیع المشرب سیاست دان تھے۔ انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں ان کو سزائے موت سنائی گئی تھی مگر انگریزوں کو آخر کار ہتھیار ڈالنا پڑے جس کے نتیجے میں ملک بھی آزاد ہوا اور کین یاٹا کو بھی رہائی مل گئی۔ آزادی کے وقت ملک میں مختلف سیاسی جماعتیں موجود تھیں مگر بڑی پارٹی کین یاٹا کی کینیا افریقن نیشنل یونین (K.A.N.U) تھی۔ آزادی کے کچھ ہی عرصے بعد ملک میں یک جماعتی نظام قائم کر دیا گیا جس کے نتیجے میں صدر کو لامحدود اختیارات حاصل ہوگئے۔ اگست ۱۹۷۸ میں کین یاٹا کی اچانک موت کے بعد نائب صدر دانیال ارپ موئی صدر بنا جو اب تک حکومت کر رہا ہے۔ ۱۹۹۲ میں ملک بھر میں برپا تحریک جمہوریت کے نتیجے میں حکومت کو کثیر الجماعتی نظام قبول کرنا پڑا۔ ۱۹۹۳ کے عام انتخابات میں ۶ پارٹیوں نے حصہ لیا۔ صدر موئی کی کانو پارٹی سب سے بڑی پارلیمانی جماعت کی حیثیت سے ابھری جسے پارلیمنٹ میں معمولی اکثریت حاصل تھی۔ آہستہ آہستہ حزب اختلاف کے ارکان سرکاری پارٹی میں شامل ہونے لگے جس کے نتیجے میں اپوزیشن پارٹیاں کمزور اور حکومت مضبوط تر ہو گئی ہے۔

کینیا کی فوج میں مسلمانوں کی مناسب تعداد موجود ہے۔ فوج کے کمانڈر انچیف جنرل محمود محمد ہیں جو صومالی النسل ہیں۔ ۱۲ سال قبل کینیا ایر فورس کی طرف سے صدر موئی کے خلاف زبردست بغاوت ہوئی جس کو کچلنے کا سہرا جنرل محمد کے سر ہے۔ ان کی انھی خدمات کی بدولت صدر موئی نے انھیں فوج کا سربراہ بنایا تھا۔ جنرل محمد کی وجہ سے مسلمانوں کو فوج اور دیگر شعبوں میں ملازمتیں حاصل کرنے میں کچھ آسانیاں پیدا ہوگئی تھیں اگرچہ ابھی تک وہ اپنی آبادی کی نسبت ملازمتوں میں بہت کم ہیں۔ سیاست میں بھی مسلمان اپنی آبادی کے تناسب سے کم عمل دخل رکھتے ہیں۔ ۲۰۰ کے ایوان میں مسلمانوں کی تعداد ۲۵ ہے۔ کم و بیش ہر سیاسی پارلیمانی پارٹی میں مسلمانوں کی نمائندگی موجود ہے۔

کینیا میں مسلمانوں کی خالص اسلامی سیاسی پارٹی کوئی نہیں ہے۔ مسلمان نوجوانوں نے کثیر الجماعتی

نظام قائم ہونے کے وقت بڑی کوشش کی کہ اسلامی پارٹی رجسٹر ہو سکے مگر انھیں اس میں کامیابی نہ ہوئی۔اس کے لیے کینیا کے مسلم اکثریتی علاقوں خصوصاً ممباسہ میں خون ریز ہنگامے اور مظاہرے بھی ہوئے۔تحریک کے نوجوان قائدین کو جیلوں میں ڈال دیا گیا اور بالاخر ان میں سے بعض کو جلاوطنی پر مجبور کر دیا گیا۔مسلم نوجوانوں کے اندر اب بھی اس مسئلے پر خاصی تلخی پائی جاتی ہے۔

کینیا میں دستوری لحاظ سے تمام مذاہب کو تبلیغ کا آزادانہ حق حاصل ہے۔مسلمانوں کی بے شمار تنظیمیں مختلف علاقوں میں کام کر رہی ہیں مگر عیسائی مشنری ادارے تعداد، وسائل اور اثرورسوخ کے لحاظ سے مسلمانوں سے کہیں آگے ہیں۔پوری مغربی دنیا ان کی پشت پر ہے۔این جی اوز اقوام متحدہ کے وسائل سے بھی بھرپور فائدہ اٹھا رہی ہیں۔یوں مالدار مسلمان ملکوں سے پیٹرو ڈالر جمع ہو کر افریقہ میں اسلام کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں۔اس کے باوجود یہ اسلام کا زندہ معجزہ ہے کہ روایت پرست اور عیسائی آبادی میں سے ہر سال سیکڑوں افراد حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔ان مسلمان ہونے والوں میں ایک معقول تعداد مغربی دنیا کے ان مشنری خواتین و حضرات کی ہے جو افریقہ میں عیسائیت کی تبلیغ اور پرچار کے لیے مختلف رضاکارانہ ناموں سے یا براہ راست پادریوں کی حیثیت سے بھیجے جاتے ہیں۔

تحریک اسلامی نے کینیا کی آزادی سے قبل وہاں مرکز قائم کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔چودھری غلام محمد مرحوم، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے نمایندے کے طور پر افریقہ تشریف لے گئے اور اسلامک سرکل کے نام سے نیروبی میں تحریکی ذہن رکھنے والے افراد کی مدد سے ایک تنظیم قائم کی جو رجسٹرار آف سوسائٹیز حکومت کینیا کے ہاں رجسٹر کی گئی۔بعد میں اس ادارے کا نام اسلامک فاؤنڈیشن رکھ دیا گیا جو اللہ کے فضل سے روز افزوں ترقی پذیر ہے۔اسلامک فاؤنڈیشن کا مرکزی دفتر نیروبی کے قلب میں تعمیر شدہ ۶ منزلہ عمارت "قرآن ہاؤس" میں واقع ہے۔اس کے زیر انتظام چلنے والے تعلیمی، رفاہی، طبّی، زرعی اور تجارتی ادارے ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔فاؤنڈیشن کا سب سے بڑا کارنامہ انگریزی، سواحلی اور دیگر مقامی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی وسیع پیمانے پر تیاری اور اشاعت ہے۔

ینگ مسلم ایسوسی ایشن نوجوانوں کی ایک اور منظم و متحرک تنظیم ہے جو نہ صرف نوجوانوں میں دعوت و تبلیغ کا کام کرتی ہے بلکہ اسلامک فاؤنڈیشن کی طرح اس کے بھی کئی ادارے مختلف خطوں میں کامیابی سے چل رہے ہیں۔جامع مسجد کمیٹی اور جامع مسجد ریلوے لانڈیز ایسوسی ایشن بھی ملک کی معروف تنظیمیں ہیں۔ساحلی علاقوں میں بھی بہت سی مسلمان تنظیمیں سرگرم عمل ہیں جن میں نیشنل یونین آف کینیا مسلمز، جمعیت تعلیم القرآن اور ممباسا مسلم ایسوسی ایشن زیادہ معروف ہیں۔کئی سال قبل کینیا

میں مختلف تنظیموں نے مل کر ایک سپریم کونسل تشکیل دی تھی جو اب تک موجود ہے مگر اسے زیادہ قبول عام حاصل نہ ہو سکا۔ اس کی دیگر مقامی وجوہات کے ساتھ ساتھ ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اس سے قبل ہمسایہ ملک تنزانیہ میں حکومت نے اپنی سرپرستی میں مسلمانوں کی ایک سپریم کونسل قائم کی تھی جو مسلمانوں کی نمایندگی کرنے کی بجائے حکومت کی نمایندہ بن گئی۔ حکومت نے اس کی آڑ میں دیگر تمام مسلم تنظیموں پر پابندی بھی لگا دی۔ ہمسایہ ملک کے اس تلخ تجربے کے بعد کینیا کے مسلمان اور اسلامی تنظیمیں سپریم کونسل کو شک کی نظروں سے دیکھتے رہے ہیں۔

کینیا میں اسلامک فاؤنڈیشن ' ینگ مسلم اور بعض دیگر تنظیموں کی کوششوں سے ایک بڑی کامیابی یہ حاصل ہوئی کہ تعلیمی اداروں میں اسلامیات کو بطور منظور شدہ مضمون نصاب میں شامل کیا گیا۔ مولانا مودودیؒ اور سید قطبؒ کی بعض کتب اسلامی نصاب تعلیم کا حصہ ہیں۔ وائس آف کینیا کے نشریاتی پروگراموں میں اسلامی پروگرام بھی شامل ہیں۔ اسلامی پروگرام کی ترتیب و تنظیم تو وزارت اطلاعات کنٹرول کرتی ہے مگر مسلم تنظیموں کے نمایندے بھی اسلامک براڈکاسٹنگ کمیٹی میں شامل ہوتے ہیں۔

کینیا میں حکومت کی طرف سے چیف قاضی اور اس کے تحت ضلعی قاضیوں کا تقرر کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے شخصی قوانین قاضی عدالتوں ہی کے ذریعے سے نافذ ہوتے ہیں۔ کینیا کے قاضی القضاۃ کے منصب پر بعض بڑی قد آور شخصیتیں فائز رہی ہیں ' جیسے شیخ الامین مرحوم ' شیخ محمد قاسمی مزروعی مرحوم اور شیخ عبداللہ صالح الفارسی مرحوم اس منصب پر فائز رہے۔ علم و فضل اور تصنیف و تالیف میں ان سب کا اعلیٰ مقام ہے۔ انگریزی استعمار کے دور میں بھی مسلمانوں کے شخصی معاملات میں چیف قاضی ہی حتمی فیصلہ دیا کرتا تھا۔

کینیا میں خواندگی کا تناسب ۶۰ فی صد سے زیادہ ہے ' جو چند سالوں میں ۹۰ فی صد ہو جائے گا۔ کینیا کے لوگوں میں مطالعے کا بڑا شوق ہے۔ اسلامی تنظیمیں اگر کتب اور کیسٹس کے ذریعے سے موثر انداز میں اپنی دعوت پھیلائیں تو براعظم افریقہ میں حیرت انگیز تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں۔ کینیا میں عوامی رابطے کی زبان سواحلی ہے مگر انگریزی بھی بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

کینیا ان ممالک میں شامل ہے جہاں مغربی تہذیب کی یلغار زوروں پر ہے۔ یہ مغربی سیاحوں کا پسندیدہ علاقہ ہے۔ فحاشی و عریانی اور اخلاق باختگی کے ساتھ چوری ' ڈاکہ اور پرتشدد مجرمانہ حرکتیں عام ہیں۔ اس تناظر میں ایک حقیقت بہت دلچسپ اور خوش گوار ہے۔ جس علاقے میں مسلم آبادی کا تناسب جس قدر زیادہ ہے اس میں جرائم کی تعداد اسی نسبت سے کم ہے۔ اعداد و شمار کی یہ کہانی اس

بے لاگ حقیقت کو آشکارا کرتی ہے کہ اسلام دین امن و سلامتی ہے۔ مسلم جزیروں میں بعض ایسے بھی ہیں جہاں آج تک پولیس اسٹیشنوں میں کوئی ایک بھی قابل ذکر جرم اور کیس رجسٹر نہیں ہوا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس پہلو کو نمایاں کیا جائے مگر اس میں حکومت کسی حد تک رکاوٹ ڈالتی ہے۔ حکومت نے اگرچہ اسلام سمیت تمام مذاہب و ادیان کو مثبت تبلیغ کی اجازت دے رکھی ہے مگر اسلام کے انقلابی پیغام سے ملکی نظام چلانے والے خائف ہیں۔ مذہب کی بنیاد پر سیاسی پارٹی کے قیام کی اجازت نہیں دی جاتی اور نہ مردم شماری میں مذہب کی صراحت کی جاتی ہے۔ مسلمان تنظیمیں جو میدان میں موجود ہیں، سبھی غیر سیاسی ہیں۔ وہ سیاست میں براہ راست حصہ نہیں لیتیں مگر ان کے ارکان مختلف سیاسی جماعتوں میں شامل ہو کر انتخاب لڑ سکتے ہیں اور بعض اوقات پارلیمنٹ میں منتخب بھی ہو جاتے ہیں۔ مسلم تنظیموں کو شماریات کی زبان میں یہ امر اجاگر کرتے رہنا چاہیے کہ اسلام امن اور قانون پسندی کا دین ہے۔ مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام بھی ان اعداد و شمار کی روشنی میں بالکل بے بنیاد ثابت کیا جاسکتا ہے۔

ماریطانیا: عزت اور انصاف کا راستہ

مسلم سجاد

دنیا کی دوسری اسلامی جمہوریہ، اسلامی جمہوریہ ماریطانیا، افریقہ کے مغربی ساحل پر، فرانس سے دگنے، تقریباً ۴ لاکھ مربع میل رقبے اور صرف ۲۱ لاکھ ۹۳ ہزار آبادی (۱۰۰ فی صد مسلمان) کا ملک ہے۔ اسلامی بنیاد پرستی کی بو سونگھنے والے مغربی نامہ نگار وہاں سے بھی تشویش انگیز خبریں بھیج رہے ہیں، جو ہمارے لیے (ہمارے اپنے ذرائع نہ ہونے کی وجہ سے) بہار جاں فزا کی نوید ہیں۔

سید مختار احیاے اسلامی کے نمایندہ معروف راہ نما ہیں۔ انھیں ان کے پچاس ساتھیوں کے ساتھ اکتوبر ۱۹۹۴ میں گرفتار کیا گیا لیکن ۱۷ دن بعد ہی رہا کر دیا گیا۔ سید مختار کہتے ہیں کہ "اسلام ہی ملک کو متحد رکھ سکتا ہے، اور کوئی طاقت ایسی نہیں"۔ سید مختار اور ان کے ساتھی اسلامی اصولوں پر حقیقی عمل کے لیے پرامن جدوجہد کر رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انھیں بنیاد پرست قرار دینا ناانصافی ہے۔ "شہری ہونے سے مغرب کی تمام برائیاں ہمارے اندر سرایت کرتی جا رہی ہیں۔ قبائلی نظام کمزور پڑنے سے، ان کی اثر پذیری میں اضافہ ہو گیا ہے۔ حالات کی خرابی کا ایک واضح مظہر نظام تعلیم ہے، جس میں ۱۹۷۹ تک مذہبی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ قرآنی اسکولوں میں طلبہ کی تعداد کم سے کم تر ہوتی جا رہی تھی۔